شر کی قوتوں کی کامیابی کا طریقۂ کار

جناب پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

ہر دور میں شر کی قوتوں کی سرگرمی جاری رہی ہے۔ وہ فساد اور شر پھیلاتی رہتی ہیں۔ ماضی میں انہوں نے منظم سلطنتوں کو تہ و بالا کر ڈالا ہے۔ آج بھی ان کی تخریب کاری اور فساد انگیزی میں کمی نہیں آئی ہے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ شر پسند لوگ کس طرح اچھے خاصے بھلے مانسوں کو شر کا داعی بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ شریف آدمی کس طرح ان کے جال میں پھنس جاتے ہیں؟ اس مسئلہ پر گہری توجہ سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ دنیا انسانوں سے آباد ہے۔ خیر ہو یا شر دونوں کا تعلق انسانوں سے ہے۔ خیر و شر کی قوتیں انسانوں کے اندر پروان چڑھتی ہیں اور فروغ پاتی ہیں۔ اس لیے انسان کی ذہنیت، ذہنی کیفیات، کمزوریوں اور خامیوں سب سے واقف ہونا ضروری ہے۔ ذہنی ترغیبات اور محرکات کا جاننا ضروری ہے۔ ذہن سے عمل کا صدور ہوتا ہے۔ اور عمل سے خیر یا شر کی قوتوں کو تقویت ملتی ہے۔ شر کے داعی عالم فاضل ہوں یا نہ ہوں، انسانی نفسیات کے باقاعدہ ماہر ہوں یا نہ ہوں، انسان کی ذہنی کیفیات اور محرکاتِ عمل سے وہ پوری طرح باخبر اور واقف کار ہوتے ہیں۔ اور اسی کی بنا پر وہ اپنا طریقہ کار مرتب کرتے ہیں اور پھر اپنا مقصود حاصل کرتے ہیں۔

پہلا مرحلہ انسان کے دو محرکاتِ عمل بڑے طاقتور ہیں، محبت اور نفرت۔ محبت کے جوش میں انسان حیرت انگیز کارنامے انجام دیتا ہے۔ اسی طرح نفرت اور عداوت کے

زور میں بھی انسان ناقابل تصور حد تک نیچے گر جاتا ہے۔ شر انگیزی کرتا ہے اور نقصان پہنچاتا ہے۔ شر کے داعیوں نے اس گُر کو پکڑ رکھا ہے۔ وہ اس کو بڑی مہارت سے استعمال کرتے ہیں اور اپنا مطلوب حاصل کرتے ہیں۔

پہلے وہ کسی انسان یا کسی تصور یا کسی طرزِ اجتماعیت کی محبت انسان کے دل میں پیدا کرتے ہیں۔ مختلف طریقوں اور تدبیروں سے اس محبت کو شدید سے شدید تر بناتے ہیں۔ اس محبت میں غلو اور اغراق کی حد تک مبالغہ کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ محبت تمام دوسرے تقاضوں، مطالبوں اور احتیاجوں کو پسِ پشت ڈال دیتی ہے۔ بس یہی ایک جذبہ دل و دماغ میں رچ بس جاتا ہے۔ محبت ایک خاص قسم کی ذہنی کیفیت کو جنم دیتی ہے۔ محبوب سے متعلق ہر شے محبوب نظر آتی ہے۔ محبوب سے متعلق ہر قسم کی اچھی بات قبول کرنے کے لیے ذہن آمادہ رہتا ہے خواہ وہ کتنی ہی نامعقول اور غیر حقیقی بات ہو۔ محبت کے زیرِ اثر ذہن کی تنقیدی اور تحقیقی صلاحیتیں ماؤف اور افسوں زدہ ہو جاتی ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں خوش عقیدہ مریدین پیر فقیر کا روپ دھارنے والوں کی کرامات اور محیر العقول واقعات پر یقین لے آتے ہیں۔ حالانکہ یہی لوگ دوسرے معاملات میں بڑے زیرک اور معاملہ فہم اور معقولیت پسند ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے محبوب کے خلاف ایک لفظ سننا گوارا نہیں کرتے۔ طریقۂ کار کا یہ پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔

دوسرا مرحلہ محبت کا خاصہ یہ ہے کہ جس چیز سے محبت ہوتی ہے، اس کے خلاف سے نفرت ہوتی ہے۔ جتنی شدید کسی کی محبت ہوتی ہے اتنی ہی شدید اس کے مخالف کے خلاف نفرت ہوتی ہے۔ دراصل محبت اور نفرت ایک ہی جذبہ کے دو رُخ ہیں۔ ایک ہی تصویر کی دو شکلیں ہیں۔ اس لیے شر کے داعی مخالف سے شدید نفرت پیدا کرتے ہیں۔ پھر نفرت ایک خاص قسم کی ذہنیت کو جنم دیتی ہے۔ جس کے زیرِ اثر مخالف سے متعلق ہر قسم کی نامعقول بات قبول کرنے پر ذہن آسانی سے تیار ہو جاتا ہے۔ دشمن کی ہر شے بری لگتی ہے۔ اور اس سے ہر بری شے کا صدور ممکن تصور کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی تنقیدی اور تحقیقی صلاحیتیں ماؤف اور بے کار ہو جاتی ہیں۔ باہمی منافرت کے دور میں ایک فریق دوسرے فریق سے

متعلق ایسی خبروں پر بھی یقین کر لیتا ہے جو دوسرا کوئی معقول آدمی ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

محبت ہو یا نفرت دونوں کی شدت ذہن کی سلامتی میں زیغ اور انحراف پیدا کر دیتی ہے۔ جس کے تحت وہ نامعقول اور لغو خبروں پر یقین کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کا اظہار عربی زبان کی ایک ضرب المثل میں کیا گیا ہے: حُبُّكَ الشيء يعمى و يصم محبت انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ پھر نہ اس کی آنکھ حق کو دیکھ سکتی ہے اور نہ اس کا کان حق کو سن سکتا ہے۔ شر پسند لوگ نفس انسانی کی اس کمزوری سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ ان کے طریقہ کار کا یہ دوسرا مرحلہ ہوتا ہے

تیسرا مرحلہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ محبت اور نفرت میں بڑھنے اور پھیلنے کی غیر معمولی صلاحیت ہوتی ہے۔ دوست کا دوست بھی دوست ہوتا ہے۔ اس طرح محبت کا دائرہ بھی پھیلتا رہتا ہے۔ دوست کا دشمن بھی دشمن ہوتا ہے۔ اس طرح نفرت کا دائرہ بھی پھیلتا رہتا ہے۔ اس طریقۂ کار کو شر پسند لوگ بہ کثرت استعمال کرتے ہیں۔ جس چیز کو محبوب بنانا چاہتے ہیں اس کو محبوب سے جوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح پوری قوم اس چیز کو اپنا محبوب بنا لیتی ہے۔ جس چیز کو مبغوض اور ناپسندیدہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس کو دشمن سے جوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح ساری قوم اس سے نفرت کرنے لگتی ہے

اس طریقۂ کار کو استعمال کر کے شر پسند لوگ قوم کے افراد کو ان کے اصل اعتقادات سے، تصورات سے، اور محبوب شخصیتوں سے بیگانہ بنا دیتے ہیں۔ اس طرح ذہنی اور فکری انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔ جس کے بعد یہ نوبت آتی ہے کہ جن افکار و تصورات کے لیے وہ قوم جان قربان کرتی تھی، انقلاب کے بعد وہ ان سے شدید نفرت کرنے لگتی ہے۔

یہ طریقۂ کار کا تیسرا مرحلہ ہے۔ اس کو اصول استلحاق (ASSOCIATION OF IDEAS) کہتے ہیں۔

طریقۂ کار کا یہ سب سے اہم مرحلہ ہوتا ہے۔

یہ وہ طریقۂ کار ہے اور ضابطۂ کار ہے جس پر عمل کر کے شرپسندوں نے فکر و عمل کے میدان میں عظیم تغیرات برپا کر دیتے ہیں۔ اب ہم ایک دو مثالوں سے اس طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہیں۔

اسماعیلیت کی باطنی تحریک اسلامی تاریخ کا حیرت انگیز حادثہ اسمٰعیلیت کا باطنی انقلاب ہے

—— مصر میں فاطمی حکومت کا قیام ہے (۳۲۲ - ۵۶۷ ھ) اس انقلاب نے ایک گروہ کو مسلمان کہتے ہوئے اسلام کی حقیقت سے برگشتہ کر دیا۔

—— عقیدہ توحید سے برگشتہ کر دیا۔

—— اماموں کو الوہیت کی مسند پر بٹھا دیا۔

—— قرآن ، سنت ، خلفاء غرضیکہ حقیقی اسلام سے بیگانہ بنا دیا۔

—— شریعت کو معطل کر دیا۔

—— ایک نیا اسلام گھڑ دیا۔

غرضیکہ مجوسی ذہن نے اسلام سے بھرپور انتقام لے لیا۔ فکر و نظر ، علم و عمل کا یہ انقلاب کس طرح برپا کیا گیا۔ یہ اسلامی تاریخ کا اہم سوال ہے !

فکر و عمل کا یہ انقلاب اس طرح پیدا کیا گیا کہ سب سے اوّل حضرت علی رضی اللہ عنہ، اولاد علیؓ اور اہل بیتؓ رسولؐ کی محبت کو پیدا کیا گیا۔ شدید محبت پیدا کی گئی۔ محبت میں اس قدر غلو کیا گیا کہ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کو ، اماموں کو الوہیت کا خدائی درجہ عطا کر دیا۔ پھر حضرت علیؓ کے مخالفین سے شدید نفرت پیدا کی گئی۔ اس قدر شدید نفرت پیدا کی گئی کہ ان کو دائرہ اسلام سے ہی خارج قرار دے دیا۔ پھر نفرت کے دائرہ میں توسیع کی گئی۔ اس دائرہ میں تمام خلفاء راشدین ، صحابہ کرامؓ ، تابعین ، بنی امیہ کے خلفاء ، بنی عباس کے خلفاء اور عام سنی مسلمانوں کو داخل کر لیا گیا۔ ان سب کے خلاف نفرت پیدا کی گئی۔ ان کو صحیح اسلام سے خارج قرار دے دیا گیا۔ اب اگر کوئی بات ان کے حوالہ سے پیش کی جائے تو اس کی کچھ وقعت نہیں۔ اس طرح اسمٰعیلی عقائد کے ماننے والوں میں صحابہؓ تابعین اور عام مسلمانوں سے نفرت پیدا کر دی گئی۔ ان کی اکثریت کو اسلام سے بیگانہ بنا دیا گیا۔

اصل اسلام کو انھوں نے رد کر دیا۔

اس طرح اسلام کو رد کر دینے کے بعد ان کے سامنے نئے اسلام کا ہیولیٰ کھڑا کرنا ضروری تھا۔ اس کے لیے انھوں نے یہ طریقۂ کار اختیار کیا کہ قرآن اور سنت کے جو مطالب عام اہل سنت سے منقول تھے ان کو انھوں نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ تو دشمنانِ اہلِ بیت کے بیان کردہ مطالب ہیں۔ اس لیے ناقابلِ قبول ہیں۔ اس لیے کہ یہ سب لوگ علیؓ کے اور اولادِ علیؓ کے دشمن ہیں۔ ان کے نزدیک قابلِ قبول وہ مطالب اور وہ اقوال ہیں جو اہلِ بیت سے اور آئمہ سے منقول ہیں۔ آئمہ میں بھی امام جعفر صادقؒ ۱۴۸ھ سے منقول ہیں۔ اور پھر امام جعفر کے اقوال کے لیے راوی اور ناقل خود ساختہ شارح میمون بن قداح بن گیا۔ بات وہ جو میمون بیان کرے۔ باقی سب غلط۔ اس نے ہر چیز کو امام جعفر کے نام سے پیش کیا اور اپنی روایت سے اور سند سے پیش کیا۔ اس طرح قرآن، سنت، حضرت علیؓ اور آئمہ سب کے مقابلہ میں صرف میمون کی روایات کو اہمیت حاصل ہوگئی۔ اس طرح وہ اسلام کے مقابل ایک نیا اسلام گھڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور اسماعیلیوں نے اس پہ یقین کر لیا۔

چونکہ یہ نظامِ فکر ذہنِ انسانی بلکہ اذہانِ کثیرہ کا تخلیق کردہ ہے اس لیے اس میں اختلافات اور تضادات کا ہونا ناگزیر بات ہے۔ امام کی اطاعت کے اصول پہ ان داعیوں نے ہر قسم کی تحقیق اور تنقید کو خاموش کر دیا۔ انھوں نے یہ اصول قرار دیا کہ امام ہر قسم کی تنقید سے بالا ہے۔ اگر کوئی شخص امام کو شرعی گناہ میں بچشم سر ملوث دیکھے۔ سننا تو کجا۔ تب بھی یقین نہیں کرنا چاہیئے۔ اس لیے کہ امام کے حالات کا کسی کو علم نہیں۔ اس طرح شاطروں کے ایک گروہ نے مسلمانوں کی کثیر تعداد کو غیر اسلام کی طرف پھیر دیا۔ اور آج تک اسی گمراہی میں سرگشتہ ہیں۔

(باقی)